بحث ونظر

مولانا مفتی غلام قادر *

مروّجہ اسلامی بینکاری کا ایک جائزہ

اسلامی بینکاری کے حوالہ سے اسلامی نظریاتی کونسل اسلام آباد نے آل پاکستان علماء کانفرنس منعقد کرنے کا پروگرام بنایا ہے اور اس سلسلے میں ملک کے جید علماء اور مفتی حضرات سے جدید مسائل پر رائے طلب کی۔ زیر نظر مضمون ان مسائل پر دارالعلوم حقانیہ کے مولانا مفتی غلام قادر صاحب نے کونسل کے سوالنامہ کے جواب میں فقہی نقطہ نظر پیش کیا ہے' افادہ عام اور اظہار خیال کے لئے شائع کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

سوال نمبر ا۔ اسلامی بینکاری کی اصل بنیاد اور سود کی اصل متبادل اساس کے لئے شریعت کی روشنی میں تصورات، عملی صورتیں اور شرائط وغیرہ کیا ہیں؟ آج کے حالات میں انہیں کس طرح بروئے کار لایا جاسکتا ہے؟

جواب۔ سودی بنکاری کا متبادل نظام۔

سودی بنکاری کے متبادل نظام پر گفتگو سے پہلے چند بنیادی باتیں ذہن نشین کرنا ضروری ہے۔

(۱) سودی بینکاری کا متبادل تلاش کرنے کا مطلب یہ نہیں ہونا چاہیے کہ مروجہ بنک جتنے کام جس انداز سے کر رہے ہیں وہ سارے کام کم وبیش اسی انداز سے انجام دیئے جاتے رہیں اور ان کے مقاصد میں کوئی فرق واقع نہ ہو، کیونکہ اگر سب کچھ وہی کرنا ہے جو اب تک ہوتا رہا ہے تو ''متبادل طریق کار'' کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ بلکہ متبادل کا مطلب یہ ہے کہ بنک کے جو کام موجودہ تجارتی حالات میں ضروری یا مفید ہیں۔ ان کے انجام دہی کے لئے ایسا طریق کار اختیار کیا جائے جو شریعت کے اصولوں کے دائرے میں ہو اور جس سے شریعت کے معاشی مقاصد پورے ہوں اور جو کام شرعی اصولوں کے مطابق ضروری یا مفید نہیں ہیں اور جنہیں شرعی اصولوں کے مطابق ڈھالا نہیں جا سکتا ان سے صرف نظر کی جائے۔

(۲) چونکہ سود کی ممانعت کا اثر تقسیم دولت کے پورے نظام پر پڑتا ہے اس لئے یہ توقع کرنا بھی غلط ہوگا کہ سود کے شرعی متبادل کو برسر کار لانے سے تمام متعلقہ فریقوں کے نفع کا تناسب وہی رہے گا جو اس وقت سودی نظام میں پایا جاتا ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اگر اسلامی احکام کو ٹھیک ٹھیک روبکار لایا جائے تو اس تناسب میں بڑی بنیادی تبدیلیاں

---

* نگران شعبہ تخصص فی الفقہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

آسکتی ہیں بلکہ یہ تبدیلیاں ایک مثالی اسلامی معیشت کے لئے ناگزیر طور پر مطلوب ہیں۔

(۳) آج کل بنک جو خدمات انجام دیتا ہے ان میں یہ پہلو مفید بلکہ موجودہ معاشی حالات کے پیش نظر ضروری ہے کہ وہ لوگوں کی منتشر انفرادی بچتوں کو یکجا کر کے انہیں صنعت وتجارت میں استعمال کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ یہ بچتیں اگر ہر شخص کی اپنی تجوری میں پڑی رہتیں تو ان سے صنعت وتجارت کے فروغ میں کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا جاسکتا تھا اور ظاہر ہے کہ فاضل دولت کا ست پڑا رہنا نہ شرعی اعتبار سے مطلوب ہے نہ عقلی اور معاشی اعتبار سے اسے مفید کہا جاسکتا ہے۔ لیکن ان بچتوں کو صنعت وتجارت میں مصروف کرنے کیلئے جو راستہ مروجہ بنکوں نے اختیار کیا ہے وہ قرض کا راستہ ہے چنانچہ یہ ادارے سرمایہ داروں کو اس بات کی ترغیب دیتے ہیں کہ وہ دوسروں کے مالی وسائل کو اپنے منافع کیلئے اس طرح استعمال کریں کہ ان وسائل سے پیدا ہونے والی دولت کا زیادہ حصہ خود ان کے پاس رہے اور سرمایہ کے اصل مالکوں کو اُبھرنے کا کما حقہ موقع نہ مل سکے۔

چنانچہ مروجہ نظام بنکاری میں بنک کی حیثیت محض ایک ایسے ادارے کی ہے جو روپے کا لین دین کرتا ہے اسے اس بات سے سروکار نہیں ہے کہ اس روپے سے جو کاروبار ہو رہا ہے۔ اس کا منافع کتنا ہے؟ اور اس سے کس کو فائدہ اور کس کو نقصان پہنچ رہا ہے؟

اسلامی احکام کی رو سے بنک ایسے ادارے کی حیثیت میں باقی نہیں رہ سکتا جس کا کام صرف روپے کا لین دین ہو۔ اس کے بجائے اسے ایک ایسا تجارتی ادارہ بنانا پڑے گا جو بہت سے لوگوں کی بچتوں کو اکھٹا کر کے ان کو براہ راست کاروبار میں لگائے اور وہ سارے لوگ جن کی بچتیں اس نے جمع کی ہیں براہ راست اس کاروبار میں حصہ دار بنیں اور ان کا نفع ونقصان اس کاروبار کے نفع ونقصان سے وابستہ ہو جو ان کے سرمایہ سے بالآخر انجام دیا جارہا ہے۔ لہٰذا سودی بنکاری کے متبادل جو انتظام تجویز کیا جائے گا۔ اس پر یہ اعتراض نہ ہونا چاہیے کہ بنک نے اپنی سابقہ حیثیت ختم کر دی ہے اور وہ بذات خود ایک تجارتی ادارہ بن گیا ہے کیونکہ اس کے بغیر وہ ضرورت پوری نہیں ہوسکتی جس کی وجہ سے متبادل نظام کی تلاش کی جارہی ہے۔

(۴) چوتھی بات یہ ہے کہ صدیوں سے بیٹھے اور جمے ہوئے کسی نظام کو بدل کر اسکی جگہ ایک نیا نظام جاری کرنے میں ہمیشہ مشکلات ہوتی ہیں۔ لیکن اگر نظام کی تبدیلی ضروری ہو تو صرف ان مشکلات کی بناء پر نئے نظام کو ناقابل عمل قرار دینا کسی طرح درست نہیں۔ ایسے میں ان مشکلات کا حل تلاش کیا جاتا ہے ان مشکلات کے خوف سے پیش قدمی نہیں روکی جاتی۔

<u>بینکنگ کا شرعی طریق کار:</u> اس تمہید کے بعد اب وہ تجاویز پیش کی جاتی ہیں جو بینکنگ کو شرعی اصول کے مطابق چلانے کے لئے پیش کی گئی ہیں۔ پہلے یہ سمجھنا چاہیے کہ بینکنگ کا تعلق دو طرفہ ہوتا ہے۔ ایک طرف اس کا تعلق ان

لوگوں سے ہوتا ہے جنہوں نے اپنی رقمیں بنک میں رکھوائی ہیں۔ دوسری طرف ان کے ساتھ تعلق ہوتا ہے جن کو بنک تمویل کرتا ہے یعنی سرمایہ فراہم کرتا ہے۔ دونوں قسم کے تعلقات پر الگ الگ گفتگو کی جاتی ہے۔

بنک اور ڈپازیٹر کا تعلق: موجودہ نظام میں بنک میں جو رقمیں رکھوائی جاتی ہیں آجکل بینکنگ کی اصطلاح میں انکو ''امانت'' کہا جاتا ہے لیکن فقہی اعتبار سے حقیقت میں وہ قرض ہوتا ہے۔ اگر بینک کو اسلامی طریقے سے چلایا جائے تو ''امانتداروں'' کیساتھ بنک شرکت یا مضاربت کا معاملہ کریگا۔ اس طریقے میں وہ رقم قرض نہیں ہوگی، بلکہ اب صورتحال یہ ہوگی کہ رقم رکھوانے والے ''رب المال'' ہونگے اور بنک مضارب ہوگا اور لگایا ہوا سرمایہ ''راس المال'' ہوگا جس پر بنک کسی خاص شرح سے نفع دینے کا پابند نہیں ہوگا بلکہ جو کچھ نفع حاصل ہوگا وہ ایک طے شدہ تناسب کے مطابق تقسیم ہوگا۔ پھر ''کرنٹ اکاؤنٹ'' یا ''الحساب الجاری'' میں بنک آج بھی ڈپازیٹر کو کوئی سود نہیں دیتے۔ اسلامی طریق کار میں بھی اس مد پر کوئی منافع نہیں دیا جائے گا اور کرنٹ اکاؤنٹ میں رکھی ہوئی رقم ڈپازیٹر کی طرف سے بنک کو دیا ہوا غیر سودی قرض سمجھا جائیگا البتہ دوسرے نفع بخش کھاتے ''مضاربت'' یا ''شرکت'' کے کھاتوں میں تبدیل ہو جائینگے

البتہ ان کھاتوں کو مضاربت یا شرکت سے بدلنے میں یہ عملی دشواری معلوم ہوتی ہے کہ شرکت کا عام قاعدہ یہ ہے کہ تمام کھاتہ داروں کی رقم ایک ساتھ مشترک کھاتے میں آئے اور ایک ہی وقت پر نفع ونقصان کا حساب کر کے تمام شرکاء میں نفع نقصان تقسیم کیا جائے۔ لیکن بنک میں یہ بات قابلِ عمل نہیں ہوسکتی کیونکہ یہاں لوگوں کے رقم رکھوانے اور نکالنے کا سلسلہ مستقل طور پر جاری رہتا ہے۔ فکسڈ ڈپازٹ میں اگرچہ نکلوانے کی مدت تو مقرر ہوتی ہے۔ لیکن رکھوانے کا وقت مقرر نہیں، ہر شخص ہر روز فکسڈ ڈپازٹ کا کھاتہ کھول سکتا ہے اور سیونگ اکاؤنٹ میں نہ نکلوانے کی تاریخ مقرر ہے، نہ رکھوانے کی۔

اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ یہ نظام تبدیل کیا جائے اور لوگوں کو پابند کیا جائے کہ وہ ایک خاص تاریخ میں رقم جمع کرائیں اور ایک خاص تاریخ ہی میں نکالیں۔ اور شرکت کی مدت سہ ماہی یا ماہانہ مقرر کر لی جائے اور ہر مدت کے اختتام پر نفع ونقصان کا حساب کر کے اس کی تقسیم عمل میں آئے لیکن اس صورت میں اول تو لوگوں کے لئے بنک میں رقم رکھوانے میں مشکلات پیش آئیں گی، ایک ہی تاریخ میں رکھوانے اور ایک ہی تاریخ میں نکلوانے سے بنکوں پر پریشر بھی بڑھے گا اور اس کے نتیجے میں بہت سی بچتیں کام میں لگنے سے رہ جائیں گی۔

لہٰذا بنکوں کی شرکت ومضاربت میں نفع کی تقسیم کا ایک اور طریق کار بعض حلقوں کی طرف سے تجویز کیا گیا ہے جس کو اکاؤنٹنگ کی اصطلاح میں ''الحساب الیومی'' یا روزانہ پیداوار پر مبنی حساب کہا جاتا ہے۔ اس تجویز کا حاصل یہ ہے کہ شرکاء کو یہ آزادی دی جائے کہ وہ جب چاہیں مخصوص قواعد کے مطابق بنک سے رقمیں نکالتے یا اس میں داخل کرتے رہیں۔ لیکن جب ایک مدت شرکت ختم ہو تو یہ دیکھا جائے کہ اس مدت میں کتنی رقم کتنے دن بنک میں رہی اور

فی روپیہ فی یوم منافع کا اوسط کیا رہا پھر جس شخص کے جتنے روپے اس مدت کے دوران جتنے دن بنک میں رہے، اس کے حساب سے نفع تقسیم کر دیا جائے۔

سوال نمبر۲۔ آج کل بہت سے بنک اسلامی بنکاری کے نام سے کام کر رہے ہیں ان کی بنکاری کہاں تک اسلامی اصولوں کے مطابق ہے؟ کیا آپ اس سے مطمئن ہیں؟ شریعت کی روشنی میں اسلامی بنکاری کی صورت ہے؟

جواب۔ جن بینکوں میں اسلامی بنکاری کے نام سے جو کام ہو رہا ہے اس کے بارے میں مجھے جو معلومات حاصل ہیں تو میں اپنے علم کے مطابق غیر ذمہ دارانہ طور پر کہتا ہوں کہ اس میں کاروبار مکمل طور پر سود سے خالی نہیں ہے بلکہ بعض مسائل میں وہ مجبوری کے تحت سودی معاملات میں شریک ہیں لیکن **مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ** کے قاعدہ کے مطابق وہ معاملات جو اسلامی اصولوں کے مطابق ہیں ان کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔ اور جو معاملات اسلامی اصولوں کے مطابق نہیں ہیں انکی اصلاح کرنی چاہیے۔

سوال نمبر۳۔ بہت سے بنک اجارہ کے نام سے لوگوں کو گاڑیاں دے رہے ہیں کیا بینکوں کی یہ کارساز سکیمیں شرعی اصولوں کے مطابق درست ہیں؟

جواب۔ اجارہ: سرمایہ حاصل کرنے کا ایک طریقہ رائج ہے جس کو اجارہ کہتے ہیں۔ اجارہ دو طرح کا ہوتا ہے ایک آپریٹنگ لیز (Operating Leas) یہ وہ اجارہ ہے جو عام طور پر معروف ہے اس میں واقعتاً فریقین میں موجر اور مستاجر کا رشتہ ہوتا ہے یہ اجارہ سرمایہ حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں ہوتا۔ سرمایہ حاصل کرنے کا ذریعہ دوسری قسم کا اجارہ ہے جس کو فنانشل لیز (Financial Leas) کہتے ہیں۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ یہاں اصل مقصود اجارے کا رشتہ قائم کرنا نہیں، ہوتا بلکہ کمپنی کو جامد اثاثوں (مثلاً مشینری) کی ضرورت ہے تو کمپنی بنک سے قرض لے کر خود مشینری خریدنے کی بجائے کسی بنک یا مالیاتی ادارے کو یہ کہتی ہے کہ یہ مشینری خرید کر ہمیں کرایہ پر دے دو۔ اس دوران مشینری کا مالک بنک یا مالیاتی ادارہ ہوگا اور کمپنی کرایہ دار ہونے کی حیثیت سے اسے استعمال کرتی ہے ایک مخصوص مدت کے لئے کرایہ اس تناسب سے طے کیا جاتا ہے کہ اس میں مشینری کی قیمت بھی وصول ہو جائے اور اتنی مدت کے لئے اگر یہ رقم قرض دی جاتی تو اس پر جتنا سود ملتا تھا وہ بھی وصول ہو جائے۔ جب یہ مدت گزر جاتی ہے اور کرایہ کی شکل میں مشینری کی قیمت بمعہ معینہ شرح سود ادا ہو جاتی ہے تو اب یہ مشینری خود بخود کمپنی کی مملوک بن جاتی ہے یہ بات کبھی معاہدے میں لکھی ہوتی ہے اور کبھی لکھی تو نہیں جاتی مگر معروف اسی طرح ہے۔

قرض کی بجائے اجارہ کا یہ طریقہ اختیار کرنے کے دو مقصد ہوتے ہیں۔

(۱) اس کی وجہ سے بعض صورتوں میں ٹیکس سے بچت ہو جاتی ہے یا ٹیکس میں کمی ہو جاتی ہے۔

(۲) قرض کی وصولیابی کے لئے اجارے کا طریقہ بہ نسبت اقراض کے زیادہ باعث اعتماد ہے اس لئے کہ

اجارے میں مشینری موجر کی ملکیت میں ہوتی ہے۔اس پر اس کا لیبل لگا رہتا ہے۔اگر بالفرض رقم نہ ملی تو موجر کو کوئی خطر نہیں، اس لئے کہ مشینری اس کی ملکیت میں ہے۔

اجارہ بھی تمویل کا ایک شرعی طریقہ ہے جس کی وضاحت ہو چکی۔اب اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ محض اجارے کا لفظ دیکھ کر کسی معاملے کو شرعی نہیں قرار دیدینا چاہیے۔اس لئے کہ آج کل عموماً اجارے کے جو معاملات ہوتے ہیں ان میں اجارے کی حقیقت موجود نہیں۔اجارے کی حقیقت یہ ہے کہ موجر جو مشینری وغیرہ اجارے پر دے رہا ہو وہ اس کا مالک اور ذمے دار ہو، مگر تمویلی اجارے میں آج کل عملاً ایسا نہیں ہوتا۔موجر اس مشینری کی کسی قسم کی ذمہ داری نہیں لیتا ہے۔اگر مشینری کا نقصان ہو جائے تو وہ مستاجر کا نقصان سمجھا جاتا ہے۔حتیٰ کہ کسی حادثے میں مشینری تباہ ہو جائے تو بھی مستاجر کرایہ دیتا رہتا ہے۔موجر کا تعلق اس مشینری سے صرف اتنا ہوتا ہے کہ عدم ادائیگی کی صورت میں وہ مشینری کو بیچ کر اپنا قرضہ وصول کر لیتا ہے لہٰذا آج کل عموماً حقیقی اجارہ نہیں ہوتا اصل مقصد تو سود پر قرض دینا ہی ہوتا ہے۔مگر ٹیکس میں بچت کرنے کے لئے اجارے کا نام دیدیا جاتا ہے۔اس طرح کے معاملات شرعاً جائز نہیں۔تاہم اگر واقعی موجر مشینری کا مالک ہو اور وہ اس کی ذمہ داری قبول کر کے اس کا اجارہ کرے تو اس کی گنجائش ہے اور کرایہ مقرر کرتے ہوئے اس بات کو مدنظر رکھا جائے کہ مشینری کی قیمت بمعہ کچھ نفع کے وصول ہو جائے تو اس میں بھی کوئی شرعی قباحت نہیں، مگر معاہدے میں یہ شرط نہ لگائی جائے کہ مدت اجارہ ختم ہونے پر مشینری خود بخود مستاجر کی ملکیت ہو جائیگی۔اس لئے کہ اس میں ''صفقۃ فی صفقۃ'' کی شکل بن جاتی ہے۔البتہ بغیر سابقہ شرط کے مدت ختم ہونے کے بعد اس کی طرف لکیت منتقل کرنے کی گنجائش ہے۔

مرابحہ مؤجلہ: یہ بھی تمویل کا ایک شرعی طریقہ ہو سکتا ہے۔جس کا حاصل یہ ہے کہ جب کوئی شخص بنک سے قرضہ لینے کے لئے آئے تو بنک اس سے پوچھے کہ کس چیز کو حاصل کرنے کے لئے رقم درکار ہے؟ بنک اس کو رقم دینے کی بجائے وہ چیز خرید کر مرابحۂ نفع پر ادھار بیچ دیتا ہے۔نفع بطور مساومہ کے کوئی بھی قیمت طے کر کے لیا جا سکتا تھا مگر نفع ایک شرح طے کر کے مرابحہ اس لئے کیا جاتا ہے تاکہ نظام میں یکسانیت رہے اور تمام لوگوں سے نفع ایک شرح کے ساتھ وصول ہو۔نفع کی جو بھی شرح طے کی جاتی ہے۔اس کو مارک اپ کہتے ہیں۔

یہ بھی تمویل کا ایک جائز طریقہ ہو سکتا ہے۔بشرطیکہ اس کو ٹھیک ضروری شرائط کے ساتھ انجام دیا جائے۔اس لئے کہ ادھار کی وجہ سے قیمت میں اضافہ کرنا باتفاق فقہاء جائز ہے۔اسلامی بنکوں میں اس طریقے پر بڑی وسعت کے ساتھ عمل ہو رہا ہے۔لیکن یہ انتہائی نازک طریقہ ہے اس میں ذرا سی بے احتیاطی اس کو سودی نظام سے ملا دیتی ہے۔آج کل بنکوں میں مرابحہ کی حقیقت کو سمجھے بغیر اور اس کی ضروری شرائط کی رعایت کئے بغیر اس پر عمل ہو رہا ہے۔جس کے نتیجے میں اس میں بہت سی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔لہٰذا صحیح شرعی طریقے سے مرابحہ کرتے ہوئے ان

خرابیوں سے بچنا ضروری ہے۔

سوال نمبر۴۔　کیا حکومت کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ یہ ضمانت دے کہ غیر سودی بینک کو اگر نقصان اٹھانا پڑے تو پھر بھی عندالطلب کھاتے داروں کا پورا سرمایہ ہی محفوظ رہے گا۔ خواہ حکومت کو اپنے پاس سے ادا کرنا پڑے؟

جواب۔　صورت مسئولہ میں حکومت کیلئے ایسا ضمانت لینا شرعاً جائز نہیں کہ اگر غیر سودی بینک کو نقصان اُٹھانا پڑے تو پھر بھی عندالطلب کھاتے داروں کا پورا سرمایہ محفوظ رہے گا کیونکہ اس طرح مضاربت کرنا مضاربت فاسدہ ہے بلکہ رب المال کو اس کا نقصان برداشت کرنا پڑے گا۔ یہ ضمانت سودی معاملات کے زمرے میں شمار ہے۔

''الغرم بالغنم یعنی ان من ینال نفع شيٍ یتحمل ضررہ''۔　(شرح المجلہ لخالد الاتاسی ج۱ ۲۴۵)

''ومن شروط المضاربۃ ایضا کون نصیب المضارب من الربح حتی لواشترط لہ من راس المال او منہ او من الربح فسدت''　(شرح المجلہ لرستم باز ۷۴۷)

''اذا فقد شرط من ھذہ الشروط المذکورۃ انفا کما اذالم تکن حصۃ العاقدین من الربح جزءً ا شائعاً بل جعل لاحد ھما من الربح قدر معین ککذا غر شاً فسدت المضاربۃ'' (شرح المجلہ لرستم باز ۷۴۸)

سود:

سوال نمبر۱۔　سود ہمارے سارے نظام معیشت میں بہت دور تک سرایت کر گیا ہے جس کی وجہ سے اس کا فوراً مکمل خاتمہ بہت دشوار ہے سود کے خاتمہ کی شرعی طور ممکن صورتیں کیا ہو سکتی ہیں؟

جواب۔　صدیوں کی بیماری کا علاج فوراً ممکن نہیں بلکہ تدریجاً ممکن ہو سکتا ہے۔ سود کے خاتمہ کی شرعی طور پر ممکن صورتیں یہ چار ہو سکتی ہیں۔　شرکت، مضاربت، اجارہ، مرابحہ مؤجلہ

شرکت ومضاربت: سود کا صحیح اسلامی متبادل شرکت اور مضاربت کا طریقہ ہے۔ جو سود سے بدر جہا اچھے نتائج کا حامل ہے۔ یہ تمویل کا نہایت مثالی عادلانہ منصفانہ طریقہ ہے۔ جس کے تقسیم دولت پر بہت اچھے نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ اس سے بینکنگ کا یہ تصور بھی ختم ہو سکتا ہے کہ بنک کاروبار کے عمل سے بالکل الگ تھلگ رہتے ہوئے صرف سرمایہ فراہم کرنے کے لئے واسطہ بنتا ہے شرکت اور مضاربت کا نظام جاری ہونے کی صورت میں بنک کا نام خواہ بنک ہی رہے لیکن بنک کی یہ حیثیت ختم ہو جائے گی اب بنک کا باقاعدہ کاروبار میں عملاً دخل ہوگا۔

شرکت اور مضاربت میں بنیادی فرق یہ ہوتا ہے کہ شرکت میں شرکاء سرمائے میں بھی حصہ دار ہوتے ہیں اور عمل میں بھی حصہ دار ہو سکتے ہیں۔ اگر کوئی عملاً کاروبار میں دخل نہ دے یہ الگ بات ہے اور مضاربت میں رب المال کا سرمایہ ہوتا ہے اور مضارب عمل کرتا ہے رب المال کی عمل میں شرکت نہیں ہوگی۔

اب یہاں شرکت اور مضاربت کے چند بنیادی اصول بیان کئے جاتے ہیں۔ شرکت اور مضاربت کا معاملہ

کرتے ہوئے ان کی رعایت ضروری ہوگی۔

(۱) سرمائے کے تناسب سے نفع مقرر کرنا شرعاً جائز نہیں نفع مقرر کرنے کا صحیح شرعی طریقہ یہ ہے کہ جو نفع حقیقت میں ہوگا اس کا فیصد حصہ مقرر کیا جائے۔

(۲) نفع کا جو تناسب بھی چاہیں باہمی رضامندی سے طے کر سکتے ہیں۔ مثلاً کسی کا سرمایہ چالیس فی صد ہو اور اس کے لئے ساٹھ فی صد نفع کی شرط لگائی جائے اور دوسرے کا سرمایہ ساٹھ فی صد ہو اور اس کے لئے چالیس فی صد نفع کی شرط لگائی جائے تو یہ جائز ہے۔ نفع کی تقسیم بقدر سرمایہ ضروری نہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مختلف شرکاء کے لئے نفع کی مختلف شرحیں طے کی جاسکتی ہیں جس کو آج کل کی اصطلاح میں ''وزن'' (Weightage) دنیا کہتے ہیں' مختلف شرکاء کو مختلف وزن دیا جاسکتا ہے۔ البتہ جس شریک نے کام نہ کرنے کی شرط لگائی ہو اس کا نفع اس کے سرمائے کے تناسب سے زائد نہیں ہوسکتا۔

(۳) نفع میں تو مختلف شرکاء کو مختلف وزن دیا جاسکتا ہے لیکن نقصان میں اسطرح کرنا جائز نہیں نقصان بہر حال سرمایہ کے بقدر ہوگا۔ جسکو فقہاء یوں تعبیر فرماتے ہیں۔

''الربح علی ما اصطلحوا علیه والو ضیعة بقدر راس المال''

اجارہ: یہ بھی تمویل کا ایک شرعی طریقہ ہے جس کو (Leasing) کہتے ہیں اور اس کی وضاحت سوال نمبر۳ کے جواب میں ''اسلامی بینکاری'' کے موضوع کے تحت صفحہ نمبر''۵'' پر ہو چکی ہے۔

مرابحہ مئو جلہ: یہ بھی تمویل کا ایک جائز شرعی طریقہ ہے اور اس کی مکمل تفصیل بھی ''اسلامی بینکاری'' کے عنوان کے تحت سوال نمبر۳ کے جواب میں گزر چکی ہے۔

بیع:

سوال نمبر۱۔ معاملات بیع میں نقد اور ادھار علیحدہ علیحدہ قیمتیں رکھنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ دلائل سے واضح فرمائیں۔

جواب۔ ادھار کی وجہ سے قیمت میں اضافہ کرنا باتفاق فقہاء جائز ہے۔ مثلاً بنک نے جس ریٹ پر سامان خریدا ہے اس پر معین نفع کی زیادتی کیساتھ مشتری کو فروخت کرے گا اور ثمن ایک معین مدت کے بعد وصول کرے گا، تو شرعاً اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ اکثر فقہاء کے نزدیک اس قسم کا عقد جائز ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: **وقد فسر بعض اهل العلم. قالوا! بیعتین فی بیعة ان یقول! ابیعک هذا الثوب بنقد بعشرة، وبنسیة بعشرین ولا یفارقه احد البیعین فاذ افارقه احد هما فلا باس اذا کانت العقدة علی احد منهما۔**

بعض فقہاء ''بیعتین فی بیعة'' کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مثلاً بائع یہ کہے کہ میں یہ کپڑا نقد دس درہم میں اور ادھار بیس درہم میں فروخت کرتا ہوں، لیکن پھر کسی ایک بیع پر اتفاق کرتے ہوئے فریقین کے درمیان جدائی نہ ہوئی (تو

یہ صورت ناجائز ہے اور بیعتین فی بیعۃ میں داخل ہے) البتہ اگر فریقین ایک بیع پر یعنی نقد یا ادھار پر اتفاق کرتے ہوئے جدا ہو گئے تو اس صورت میں کوئی حرج نہیں (جامع ترمذی ج ۴ صفحہ ۵۳۳، باب ماجاء فی النھی عن بیعتین فی بیعۃ حدیث نمبر ۱۲۳۱)

امام عبدالرزاقؒ نے مصنف عبدالرازاق میں امام زہری، طاؤس اور سعید بن المسیب سے نقل کیا ہے یہ حضرات فرماتے ہیں: ''لا باس بان یقول: ابیعک ھذا الثوب بعشرۃ الیٰ شھر، او بعشرین الیٰ شھرین، فباعہ علی احد ھما قبل ان یفارقہ فلا باس بہ و ھکذا عن قتادۃ'' (مصنف عبدالرزاق ج ۸ ص ۱۳۶)

''اس صورت، میں کوئی حرج نہیں کہ بائع یہ کہے کہ میں یہ کپڑا ایک ماہ کے ادھار پر دس درہم میں اور دو ماہ کے ادھار پر بیس درہم میں فروخت کرتا ہوں اور پھر جدائی سے پہلے ایک صورت پر اتفاق کر کے کپڑا بیچ دیا تو اس میں کوئی حرج نہیں امام قتادہ سے بھی یہی منقول ہے۔ امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: قال ابو حنیفۃ فی الرجل یکون لہ علی الرجل مائۃ دینار الی اجل، فاذا حلت قال لہ الذی علیہ الدین، بعنی سلعۃ یکون ثمنھا مائۃ دینار نقداً، بمائۃ و خمسین الیٰ اجل، ان ھذا جائز، لا نھا لم یشترطا شیاً ولم یذکرا امراً یفسد بہ الشراء'' (کتاب الحجۃ علی اھل المدینۃ، ج ۲ ص ۶۹۴ باب مایجوز فی الدین وما لا یجوز فیہ)

''امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص کے دوسرے کے ذمے سو دینار تھے، جو معین تاریخ پر ادا کرنے تھے۔ جب وہ معین تاریخ آئی تو اس شخص نے جس پر دین تھا۔ یہ کہا کہ فلاں سامان جس کی قیمت نقد کے اعتبار سے سو دینار ہے مجھے ادھار ایک سو پچاس دینار میں فروخت کر دو۔ یہ صورت جائز ہے۔ اس لئے کہ اس عقد کے اندر فریقین نے کوئی شرط نہیں لگائی اور نہ ہی فریقین نے کسی ایسی چیز کا ذکر کیا ہے۔ جو اس معاملے کو فاسد کر دے''۔

سوال نمبر ۲۔ اسٹاک ایکسچینج میں حصص کی فارورڈ ٹریڈنگ کیا شرعی طور پر جائز ہے یا ناجائز؟

جواب۔ غائب سودے (فارورڈ ٹریڈنگ) جن میں بیع کی اضافت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے وہ بھی شرعاً جائز نہیں۔ اس لئے کہ بیع کی وقت مستقبل کی طرف اضافت یا تعلیق باتفاق فقہاء ناجائز ہے البتہ مستقبل میں بیع کا وعدہ کیا جا سکتا ہے لیکن وقت آنے پر بیع باقاعدہ کرنی ہوگی۔

چونکہ غائب سودا بیع قبل القبض ہے اور بیع قبل القبض جائز نہیں ہے۔

بیع قبل القبض کی ممانعت کا مدار دو وجہوں پر ہے۔

(۱) قبضے سے پہلے مبیع مقدور التسلیم نہیں ہوتا، لہٰذا یہ بات یقینی نہیں ہے کہ وہ مشتری کو ضرور قبضہ کرا دے گا یہ غرر ہے جس کی بناء پر بیع جائز نہیں۔

(۲) بیع قبل القبض کی ممانعت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ قبضے سے پہلے مبیع بائع کے ضمان میں نہیں آتا اور ربح مالم یضمن جائز نہیں۔

سوال نمبر۳۔ مضاربہ میں پہلے سے طے شدہ منافع کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب۔ مضاربہ میں پہلے سے طے شدہ (خاص مقدار میں) منافع شرعاً جائز نہیں۔ ایسی صورت میں مضاربت فاسد رہے گی۔

قال العلامة ابو بکر الکاسانیؒ: و منها ان المشروط لکل واحد منهما من المضارب ورب المال من الربح جزءا شائعاً نصفاً او ثلثاً او ربعاً فان شرطا عددا مقدرا بان شرطا ان یکون لاحدهما مائة درهم من الربح او اقل او اکثر والباقی للآخر لا یجوز والمضاربة فاسدة (بدائع الصنائع ج ۶ ۸۵)

نفع مقرر کرنے کا صحیح شرعی طریقہ یہ ہے کہ جو نفع حقیقت میں ہوگا اس کا فی صد حصہ مقرر کیا جائے۔ (مزید تفصیل شرکت ومضاربت کے عنوان کے تحت ملاحظہ فرمائیں)

سوال نمبر۴۔ بنکوں میں مروجہ مرابحہ کا طریق کار اسلامی اصولوں کے مطابق کہاں تک جائز ہے؟

جواب۔ بنکوں میں مروج مرابحہ کا طریق کار اگر مندرجہ ذیل خامیوں سے خالی ہو تو اسلامی اصولوں کے مطابق جواز کی گنجائش ہے۔

(۱) مرابحہ کی صحیح شکل تو یہ ہے کہ بنک کوئی چیز خرید کر نفع پر بیچ دے مگر پاکستانی بنکوں میں ایسا بھی ہوتا رہا ہے کہ جس چیز پر عقد مرابحہ کیا جارہا ہے وہ چیز پہلے سے ہی اس شخص کے پاس موجود ہوتی تھی جو بنک سے قرض لینے کیلئے آیا ہے۔ بنک اس سے اس چیز کو نقد کم قیمت پر خرید کر پھر نفع پر اسی کو دوبارہ ادھار بیچ دیتا ہے اسکو بائی بیک (Buy Back) کہتے ہیں۔ اس طرح حقیقتاً مرابحہ کی بجائے نفع کو بائی بیک سے وابستہ کردیا گیا۔ جو شرعی اعتبار سے بالکل ناجائز ہے کیونکہ ایک ہی شخص سے کم قیمت پر خرید کر فوراً ہی اسے زیادہ قیمت پر ادھار بیچ دینا درحقیقت سودی قرض ہی کی ایک شکل ہے۔ جبکہ پہلی خریداری میں ہی یہ شرط ہوتی ہے کہ اسے دوبارہ بیچ دیا جائیگا۔

(۲) بائی بیک کا حیلہ بھی حقیقت میں نہیں ہوتا عموماً محض فرضی کاروائی ہوتی ہے۔ ایسا سامان سرے سے موجود ہی نہیں ہوتا جس پر بائی بیک کیا جارہا ہو۔ حتیٰ کہ اداروں کے ایسے اخراجات جن سے کوئی چیز خریدی نہیں جاتی مثلاً تنخواہیں، بلوں کی ادائیگی وغیرہ ان کے لئے بھی بنکوں سے مرابحۃً قرض مل جاتا ہے۔

(۳) اگر بائی بیک نہ بھی ہو حقیقت میں مرابحہ ہی ہو تو بھی اس بات کا اہتمام نہیں کیا جاتا کہ جس سامان کو مرابحۃً بیچا جارہا ہے وہ پہلے بنک کے قبضے اور ضمان میں آئے حالانکہ مرابحہ کے درست ہونے کے لئے اس سامان کا پہلے بنک کے قبضے اور ضمان میں آنا ضروری ہے۔

(۴) بنک کے پاس جب کوئی شخص سرمایہ حاصل کرنے کے لئے آتا ہے تو بینک تمویل کی حد مقرر (تحدید السقف) کردیتا ہے کہ اتنے سرمائے کی حد تک بنک مرابحہ کرنے کیلئے تیار ہے۔ معاہدے پر دستخط کرا لئے جاتے

ہیں۔اس وقت بنک اس شخص کو سامان خریدنے کا وکیل بھی بنا دیتا ہے لیکن اس وقت کوئی بیع منعقد نہیں ہوتی بلکہ وہ محض ایک باہمی معاہدہ ہوتا ہے کہ بنک حسب ضرورت ان شرائط پر اپنے گاہک کو اس کی ضرورت کی اشیا خرید کر فراہم کرے گا۔اب ضرورت اس بات کی تھی کہ جب گاہک کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو وہ بنک کو بتائے پھر بہتر طریقہ تو یہ ہوتا کہ بنک وہ چیز اپنے ذرائع سے خرید کر اپنے قبضے میں لاتا پھر گاہک کو مرابحۃً فروخت کرتا، لیکن اگر بنک خود خریدنے کی بجائے اسی گاہک کو خریداری کا وکیل بنائے تو اس میں کم از کم یہ ضروری تھا کہ پہلے گاہک وہ چیز بنک کے وکیل کی حیثیت سے خرید کر بنک کو مطلع کرے پھر اس سے ایجاب وقبول کر کے اپنے لئے خریدے۔ یہاں گاہک کی دو حیثیتوں کو ایک دوسرے سے ممتاز رکھنا ضروری تھا۔ پہلے اس کی حیثیت وکیل کی ہے اور جب تک وہ اس حیثیت میں ہے اس پر وکالت کے احکام جاری ہوں گے اور جب تک سامان پر اس کا قبضہ بنک کی وکیل کی حیثیت سے ہے اس وقت تک وہ سامان بنک کی ملکیت میں ہے اور اسی کی ضمان میں ہے لہٰذا اگر اس دوران وہ سامان وکیل کی کسی تعدی کے بغیر ہلاک ہو جائے تو بنک کا نقصان ہونا چاہیے۔ پھر جب وہ بنک کو اطلاع دے کر اس سے وہ سامان اپنے لئے خریدے تو اس وقت سامان گاہک کی ملکیت اور ضمان میں آجائے گا اور اگر اس کے بعد ہلاک ہو جائے تو گاہک کا نقصان ہوگا۔

گاہک کی ان دو حیثیتوں کا کلی طور پر ایک دوسرے سے ممتاز ہونا نہایت ضروری ہے۔لیکن آج کل اکثر بنک اس بات کا لحاظ نہیں رکھتے بلکہ تحدید السقف کے وقت یعنی Limit منظور کرتے ہوئے مرابحہ کے معاہدے پر جو دستخط ہوتے ہیں انہی کو کافی سمجھ لیا جاتا ہے۔اس کے بعد گاہک سامان خود خرید کر اسے اپنے استعمال میں لاتا رہتا ہے اور بنک سے خریداری کے لئے کوئی الگ ایجاب وقبول نہیں کیا جاتا جس کے نتیجے میں یہ محض ایک مصنوعی کاروائی ہو جاتی ہے اور عملی نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ بنک نے گاہک کو رقم دی اور ایک مدت کے بعد زیادہ رقم وصول کر لی۔سامان کا بنک کے ضمان میں آنا پھر اس کی ملکیت کا گاہک کیطرف منتقل ہونا اور اسی مقصد کے لئے ایجاب وقبول وغیرہ کچھ نہیں ہوتا یہ طریقہ بالکل حرام اور ناجائز ہے۔

(۵)　یہ غلطی بھی ہوتی ہے کہ تمویل کی حد مقرر کرنے (تحدید السقف) کے معاہدے پر دستخط ہوتے ہی بنک اس شخص سے Bill of exchange (ہنڈی) یا پرامیسری نوٹ پر دستخط کرا لیتا ہے۔ یہ اس لئے غلط ہے کہ ہنڈی پر دستخط تو اس وقت ہوتے ہیں جب کوئی شخص مدیون بن جاتا ہے اور یہ شخص ابھی بنک کا مدیون نہیں بنا، ابھی تو آئندہ مرابحہ مؤجلہ کرنے پر آمادگی کا معاہدہ ہوا ہے۔گاہک بنک کا مدیون اُس وقت بنے گا جب وہ سامان بنک سے اپنے لئے خریدے گا، لہٰذا پرامیسری نوٹ پر دستخط بھی اسی وقت ہونے چاہیے۔

(۶)　سودی نظام میں قرضہ کی ادائیگی کا وقت آجائے اور مقروض ابھی قرض ادا کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو یا ابھی ادا نہ کرنا چاہتا ہو تو اس قرض کی مدت بڑھا دی جاتی ہے پہلا سود قرضے میں شامل ہو جاتا ہے اور اس پر مزید سود لگا

کر مزید مہلت دیدی جاتی ہے۔ اس کو رول اوور (Roll over) کرنا کہتے ہیں۔ مرابحہ میں بھی یہی سلسلہ شروع کر دیا گیا مرابحہ کی ثمن کی ادائیگی کا وقت آنے پر ادائیگی کی استطاعت نہ ہو تو یہاں بھی قرض کو رول اوور کر دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ تو ایک بیع تھی۔ اس میں سامان کی ایک قیمت طے تھی اس قیمت میں اب اضافہ یا کمی ممکن نہیں۔ نہ اس مرابحہ پر مزید مرابحہ کیا جا سکتا ہے۔ مرابحہ کی حقیقت اور شرائط کو ملحوظ نہ رکھنے کی وجہ سے اس جیسی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ جن کی وجہ سے معاملہ شرعی طور پر جائز نہیں رہتا۔ اسلئے مرابحہ پر عمل کرنے کیلئے اس کی شرائط کی رعایت بہت ضروری ہے۔

انشورنس:

سوال نمبر۱۔　بیمہ کمپنی کے کاروبار کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اگر یہ کاروبار سودی ہے تو اس کے لئے متبادل شرعی طریقے کیا ہیں جن کے مطابق نقصانات کا ازالہ کیا جا سکے؟

جواب۔　<u>بیمہ کمپنیوں کے کاروبار کی شرعی حیثیت:</u>　جمہور کا موقف یہ ہے کہ اس بیمے میں قمار بھی ہے اور ربوا بھی۔ قمار اس لئے کہ ایک طرف سے ادائیگی متعین ہے اور دوسری طرف سے ادائیگی موہوم ہے۔ جو قسطیں ادا کی گئی ہیں وہ تمام رقم ڈوب بھی سکتی ہے اور اس سے زیادہ بھی مل سکتی ہے اسی کو قمار کہتے ہیں۔ اور ربوا اس طرح ہے کہ یہاں روپے کا روپے سے تبادلہ ہے اور اس میں تفاضل ہے کہ بیمہ دار کی طرف سے کم رقم دی جاتی ہے اور اسے زیادہ رقم ملتی ہے۔ البتہ بیمہ زندگی میں قمار نہیں کہ وہاں رقم یقیناً واپس مل جاتی ہے۔ مگر ربوا اور غرر ہے۔ ربوا تو ظاہر ہے۔ غرر کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ارکان عقد (ثمن، مبیع یا اجل) میں سے کسی چیز کا مجہول ہونا یا کسی مجہول اور غیر معین واقعے پر موقوف ہونا۔ یہاں غرر اس طرح ہے کہ معلوم نہیں کہ کتنی رقم واپس ہوگی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جتنی رقم دی تھی وہی بمعہ سود کے واپس ملے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حادثے کی صورت میں زیادہ رقم مل جائے۔

<u>بیمہ کا متبادل:</u>

بیمہ کا متبادل ایک تو تعاونی بیمہ ہے جس میں شرکاء اپنی اپنی مرضی سے فنڈ میں رقم جمع کراتے ہیں اور سال کے دوران جن جن لوگوں کو کوئی نقصان پہنچا۔ اس فنڈ سے ان کی امداد کرتے ہیں۔ پھر سال کے ختم پر اگر رقم بچ گئی تو وہ شرکاء کو بحصہ رسدی واپس کر دی جاتی ہے یا ان کی طرف سے آئندہ سال کے فنڈ کے لئے چندہ کے طور پر رکھ دی جاتی ہے۔

اس کے علاوہ اب عالم اسلام کے کئی ملکوں میں ''شرکات التکافل'' کے نام سے کچھ کمپنیاں قائم ہوئی ہیں جنہیں تجارتی بیمے کے متبادل کے طور پر قائم کیا گیا ہے۔ ان کا بنیادی تصور یہ ہے کہ ہر بیمہ دار کمپنی کا شیئر ہولڈر ہوتا ہے کمپنی اپنا سرمایہ نفع بخش کاموں میں لگا کر اس کا نفع اپنے شیئر ہولڈرز میں تقسیم بھی کرتی ہے اور کمپنی ہی کی ایک ریزرو فنڈ سے بیمہ داروں کے نقصانات کی تلافی بھی کرتی ہے۔ (تلخیص از ''اسلام اور جدید معیشت وتجارت'' اور ''فقہی مقالات'')

زکوٰۃ:

سوال نمبرا۔ کیا زکوٰۃ کی رقوم کا استثمار شرعی طور پر جائز ہے یا نہیں؟ یعنی زکوٰۃ کی رقوم سے اس مقصد کی خاطر کارخانے اور فیکٹریاں وغیرہ قائم کرنا کہ ان سے حاصل ہونے والے منافع کو مستحقین زکوٰۃ میں تقسیم کیا جائے گا اور ان کارخانوں میں فقراء و مساکین اور دیگر مستحقین کو ملازمت دے کر انہیں روزگار فراہم کیا جائے گا، شرع نقطۂ نظر سے جائز ہے یا نہیں؟

جواب۔ زکوٰۃ کی رقوم کے استثمار میں کئی قباحتیں ہیں۔

(۱) اس صورت میں تملیک مسکین نہیں ہوتی ہے اور زکوٰۃ میں تملیک (قبضہ) مسکین شرط ہے۔

(۲) کارخانوں میں ہر ملازم مستحق زکوٰۃ نہیں ہوتا ہے بلکہ اکثر ملازمین زکوٰۃ کے مسائل میں غنی کے حکم میں ہوتے ہیں۔ مسکین ملازم کا امتیاز مشکل ہو جائے گا۔

(۳) زکوٰۃ کا نفع صرف ان لوگوں کو ملے گا جو ملازمت کے اہل ہو اور جو ملازمت کے اہل نہیں۔ جیسے ان پڑھ لوگ، بوڑھے، بیوائیں اور وہ یتیم اور نادار جس کا کوئی سفارش کرنے والا نہ ہو تو اُن کو کچھ نفع نہیں ملے گا۔

(۴) کارخانہ بننے کے کچھ عرصہ بعد بنانے والے کے ورثاء اس کو میراث سمجھ کر پھر اپنی ملکیت میں داخل کریں گے حالانکہ زکوٰۃ کے اموال میں ارث جاری نہیں ہوتا ہے کیونکہ وہ تو مالک کی ملکیت سے نکل چکے ہیں۔

(۵) یہ تو ضروری نہیں کہ کارخانہ خواہ مخواہ نفع کمائے گا۔ ہوسکتا ہے کہ کارخانہ دیوالیہ ہو جائے تو مسکین سب کچھ سے محروم رہے گا۔

سوال نمبر۲۔ اموال زکوٰۃ کے استثمار کے جائز یا ناجائز ہونے کے دلائل اور اسباب و وجوہ کتاب و سنت کی روشنی میں بیان فرمائیں؟ تملیک کی شرط کے شرعی دلائل کیا ہیں؟

جواب۔ زکوٰۃ کے استثمار میں جو قباحتیں ہیں وہ سوال نمبرا کے جواب میں مذکور ہیں۔ البتہ تملیک کی شرط کے شرعی دلائل یہ ہیں۔

(۱) واٰتوا الزکوٰۃ (الایۃ)

(۲) انما الصدقات للفقراء والمساکین الخ. (الایۃ)

(۳) قال النبی ﷺ ادواز کاۃ اموالکم (الحدیث)

(۴) وقال الشیخ ابن الھمام: ولا یبنی بھا مسجد ولا یکفن بھا میت لانعدام التملیک وھو الرکن ولا یقضی بھا دین میت لان قضاء دین الغیر لا یقتضی التملیک منه لا سیما من المیت ولا تشتری بھا رقبة تعتق خلا فالمالک ذھب الیه فی تاویل قوله تعالیٰ و فی الرقاب ولنا

ان الا عتاق اسقاط الملک ولیس بتملیک. (بحوالہ فتح القدیر ج ۲ کتاب الزکوۃ)

سوال نمبر۳۔ زکوۃ کے مال سے اگر رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء و مساکین کو رہائش یا تجارت کیلئے دیدی جائیں اور انہیں مکانات اور دوکانوں وغیرہ کا مالک نہ بنایا جائے۔ تو کیا اس سے زکوۃ کی ادائیگی ہو جائیگی یا نہیں؟

جواب۔ مندجہ بالا (سوال نمبر۲ کے جواب میں) لائل سے واضح ہوا کہ زکوۃ میں تملیک شرط ہے اور یہ مذکورہ فی السوال صورت میں تملیک نہیں ہے۔ لہٰذا زکوۃ ادا نہ ہوگی۔

سوال نمبر۴۔ فقراء و مساکین میں مال زکوۃ تقسیم کرنے کی بجائے اگر ان کے لئے زکوۃ کے مال سے مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے ان کی ملکیت میں دیدی جائیں تو اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ اس میں شرعاً اگر کوئی قباحت ہے تو اسے دلائل کے ساتھ واضح فرمائیں۔

جواب۔ اس صورت میں کئی خدشات ہیں۔

(۱) :ندہ کے مشاہدہ میں کئی بار آیا ہے کہ جو شخص نقد کی بجائے مسکین کو زکوۃ میں سامان فراہم کرتا ہے تو مزکی اس زکوۃ میں بھی تجارت کرتا ہے۔ مثلاً سو روپیہ کی قیمت والا سامان ایک سو پچاس کے حساب سے مسکین کو دیا جاتا ہے تو مزکی نے مسکین سے سو روپیہ زکوۃ میں پچاس روپے کمائی کی یہ مسکین کو نقصان ہے تو یہاں ہو سکتا ہے کہ گھر پر خرچہ ایک لاکھ آیا ہو اور مسکین کو یہ گھر دو لاکھ میں حساب کیا جائے تو یہ مسکین کو نقصان ہے۔

(۲) اس صورت میں ایک مسکین کو نفع ملے گا اور دیگر مساکین محروم ہوں گے اس وجہ سے فقہاء کرام نے ایک مسکین کو مقدار نصاب زکوۃ دینے کو مکروہ کہا ہے کیونکہ اس سے اور مساکین محروم ہوتے ہیں۔ اور وہ اس طرح کہ ایک لاکھ روپیہ جس سے گھر بنانا ہو ایک مسکین کو ملے اور اگر نقد رقم پانچ پانچ ہزار ایک ایک مسکین کو دیئے جائیں تو ایک نقد رقم سے کم از کم بیس مساکین کا گزارہ ہو جائیگا۔

(۳) پھر عام اغنیاء وہ مکان اور دوکان زکوۃ میں دیں گے جو اُن کے لئے کارآمد نہ ہو۔ تو گویا صرف برائے نام (اخلاص سے خالی) زکوۃ ہوگی اور آخرت کے لحاظ سے اس قسم کی زکوۃ کارآمد نہیں ہے۔

سوال نمبر۵۔ کیا موجودہ حالات کے تناظر میں اموال زکوۃ، مصارف زکوۃ، نصاب زکوۃ اور شرح زکوۃ میں کمی بیشی کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

جواب۔ اموال زکوۃ، مصارف زکوۃ، نصاب زکوۃ، شرح زکوۃ یہ سارے منصوصی امور ہیں اجتہادی امور نہیں ہیں۔ یہ توقیفی امور ہیں مدرک بالعقل نہیں ہیں لہٰذا اس میں کمی بیشی کرنا جائز نہیں ہے۔ ہاں یہ جائز بلکہ افضل ہے کہ ایک غنی شخص مقدار زکوۃ سے زیادہ مقدار مسکین کو دے دیں یہ زیادہ حصہ نفلی صدقہ میں شمار ہو کر مسکین کے ساتھ تعاون ہو گا۔

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه محمد و اٰله و اصحابه اجمعین